Safeeneh
A Research Journal of Persian
Language, Literature and Culture
No 13, 2015 pp 151-160

سفینه
مجلهٔ تحقیقی در زمینهٔ زبان ، ادبیات و فرهنگ فارسی
شمارهٔ ۱۳ ، ۲۰۱۵ میلادی ، صص ۱۵۱-۱۶۰

مناقبِ سلیمانی
حضرت شاہ سلیمان تونسوی کا ایک اہم تذکرہ

پرفسور دکتر معین نظامی

رئیس گروه فارسی، دانشکدهٔ خاور شناسی

دانشگاه پنجاب، لاهور، پاکستان

چکیده:

شاه سلیمان تونسوی(د.۱۲۶۷ق/۱۸۵۰م) از عارفان بزرگ متأخر چشتی نظامی در شبه قاره به شمار است. دربارهٔ احوال و گفتار های او بیش از دوازده کتاب به فارسی در دست است از جمله مناقب سلیمانی که نویسندهٔ آن مرید و خلیفهٔ وی، غلام محمد خان جهجری(د.۱۳۱۶ق/۱۸۹۸م) است. مناقب سلیمانی مأخذی ارزشمند در معرفی شاه سلیمان تونسوی، خانوادهٔ وی وخلفای او است. مقالهٔ حاضر کتاب، نویسنده و سبکِ نگارش آن را معرفی می کند.

کلید واژه ها: شاه سلیمان تونسوی، خانقاه تونسه، مناقبِ سلیمانی، غلام محمد خان جهجری، ادبیات فارسی درچشتیه نظامیه، معین نظامی.

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی(۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء -۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء) سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے دورِ متاخر کے اکابر مشائخِ طریقت میں سے ہیں۔ ان کا حلقۂ فیضان غیر معمولی تاثیر اور حیرت انگیز وسعت کا حامل تھا۔ برصغیر پاکستان و ہند، افغانستان، خراسان، ماوراء النہراور کئی دوسرے علاقوں کے بلامبالغہ لاکھوں افراد آپ سے بہ راہ راست یا بالواسطہ فیض یاب ہوئے۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑوی (۱۸۴۵۔۱۹۰۱ء) کا ایک محققانہ بیان مبنی برانصاف اور خصوصی طور پر قابل ذکر ہے:

> حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ سے رشد و ہدایت کا اس قدر ظہور ہوا کہ (حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے) باقی خلفا میں سے کسی کے ہاتھ سے نہیں ہوا کیوں کہ آپ کے رشد و ہدایت کا یہ حال ہے کہ اگر ہمارے حضرت صاحبِ روضہ (خواجہ قاضی عاقل محمد) سے لے کر مجھ تک کے تمام مریدین اور حضرت خواجہ نور محمد نارووالا اور جناب حافظ جمال اللہ ملتانی اور حضرت غلام حسن صاحب چیلہ وہنی کے تمام مریدین اور ان کے تمام سجادگان و خلفا کے مریدین کا شمار کیا جائے تو بیس لاکھ یا زیادہ سے زیادہ پچیس لاکھ آدمی ہوں گے اور یہ تعداد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرّہ اور آپ کے خلفا کے مریدین کا نصف بھی نہ ہو گا۔ مثلاً تونسہ کے غرب کی طرف نظر کریں تو قندھار اور غزنی تک آپ کے مریدین پھیلے ہوئے ہیں، اگر شمال کی جانب دیکھیں تو پشاور اور خراسان تک، شرق کی جانب کشمیر تک اور ہندوستان میں حیدر آباد دکن تک آپ کے مرید اور غلام موجود ہیں (رکن الدین، ۱۔۲۷۰)۔

وابستگانِ تونسہ شریف(ضلع ڈیرہ غازی خان، پنجاب، پاکستان) میں کئی روحانی وعلمی خانوادے برصغیر کی تاریخ میں مختلف جہتوں سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں جھجر، بھارت کے یوسف زئی پٹھانوں کا ایک مقتدر علمی وسماجی خانوادہ بھی ہے۔ زیرِ نظر کتاب مناقبِ سلیمانی کے مصنّف حضرت مولانا غلام محمد خان جھجری (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) اسی خاندان کے مایۂ نازچشم و چراغ

تھے۔ زمین داروں کا یہ خاندان علمی وجاہت کا حامل بھی تھا،دنیوی جاہ و منصب میں بھی خاصا ممتاز تھا اور خاندان کے کئی افراد اعلیٰ سرکاری ملازمتوں پر فائز تھے۔

ہندوستان میں ایک گاؤں جھجھر(Jhajhar) نام کا ہے جو شیخا واٹی، راجستھان کے موجودہ ضلع جھن جھنوں میں واقع ہے۔ اعلیٰ حضرت تونسوی کے ایک نامور خلیفہ اور کثیر التصانیف بزرگ حضرت حاجی نجم الدین سلیمانی (۱۸۱۸-۱۸۷۰ء) اسی علاقے کے باشندے تھے۔ دوسرا علاقہ جھجر(Jhajjar) ہے جو ریاست ہریانہ کے ۲۱ ضلعوں میں سے ایک ضلع ہے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۹۷ء تک یہ رُہتک کا حصّہ تھا، ۱۵۔ جولائی ۱۹۹۷ء کو اسے الگ ضلع کا درجہ دیا گیا۔ ہمارا زیر بحث خانوادہ اسی جھجر سے تعلق رکھتا ہے۔

جھجر میں اعلیٰ حضرت تونسوی کے ایک عزیز خلیفہ حضرت میر سیّد فضل علی شاہ اور شیخ صالح عرف شیخ جیون بھی رہتے تھے جن کا علاقے میں وسیع حلقۂ اثر تھا۔ تونسہ شریف کے اکابر مریدوں میں سے ایک بزرگ حضرت مولانا دیدار بخش پاک پٹنی بھی کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے تھے(سلیمانی، ۷-۵۶)۔ ان حضرات کے پاس سلسلہ عالیہ کے کئی علما و مشائخ کی آمد و رفت تھی اور ان کے نجی اور اجتماعی حلقوں میں اعلیٰ حضرت تونسوی کے احوال و مناقب کا ذکرِ خیر جزوِ معمولات تھا۔ حضرت غلام محمد خان بچپن میں اپنے والد کے ساتھ کئی بار اعلیٰ حضرت تونسوی کے خلیفہ حضرت محمد حیات دہلوی کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے(سلیمانی، ۷۷)۔ وہ اس ماحول اور فضا میں غائبانہ طور پر اعلیٰ حضرت تونسوی کے کمالات و فضائل کے گرویدہ ہو گئے۔ ان کے والد ماجد غلام رسول خان (۱۱۹۸ھ/ ۱۷۷۷ء-۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء) بھی عالم و فاضل اور صوفی منش شخص تھے۔ وہ ۳۵ برس سرکاری ملازمت سے منسلک رہے اور میرٹھ میں انھوں نے بہت عزت و وقار سے زندگی گزاری۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجّہ دی اور انھیں رائج دینی و دنیوی تعلیم دلوائی۔ تصوّف و عرفان سے دل چسپی اور بزرگانِ دین سے عقیدت وارادت ان کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا اور یہ ذوق ان کے بیٹوں میں بھی نہ صرف منتقل ہوا بلکہ دو آتشہ ہو کر کئی خدمات و برکات کا باعث بنا۔

حضرت غلام محمد خان کی تاریخ پیدائش ۲۶۔ذی الحجہ ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء اور تاریخ وفات ۱۵۔شوال ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء ہے (معتصم، ۴۸)۔ وہ فارسی و عربی کے متداول علوم وفنون میں فارغ التحصیل ہو کر عین عالم شباب میں، بائیس سال کی عمر میں حضرت میر سید فضل علی شاہ، شیخ صالح جیون، محبّ اللہ خان اور کئی دیگر احبابِ طریقت کی معیّت میں ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۴۰ء میں پہلی بار اعلیٰ حضرت تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بستی تاج سرور، چشتیاں شریف، ضلع بہاول نگر کے مقدس ومتبرک مقام پر شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔ (سلیمانی، ۷) اس کے بعد وہ ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء اور ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۷ء میں بھی اپنے مرشد کی زیارت اور ان کی پرنور مجالس میں اکتسابِ معنوی سے شاد کام ہوئے اور ان کے وصال کے بعد ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۱ء اور پھر ایک طویل عرصے کے بعد ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ھ اور ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں بھی تونسہ شریف حاضر ہوتے رہے (سلیمانی، ۴۸، ۸۵)۔

تونسہ شریف کی ان حاضریوں کے دوران میں انھوں نے لوائح جامی، شرح رباعیاتِ جامی، شرح لمعات، نقد النصوص اور مثنوی معنوی جیسی اہم عرفانی کتابوں کا درس بھی لیا اور حاجی خاں بروہی کا تب (متوفی ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء، مدفون تونسہ شریف) سے خطِ نسخ میں تربیت بھی پائی۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ نے انھیں کشکول کلیمی اور مرقع کلیمی کے اوراد و وظائف اور اعمال و اشغال کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور ایک بار خلوتِ خاص میں مسئلۂ توحید کی تلقین بھی کی (سلیمانی، ۹۱۔۸۹)۔ اس قرینے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھیں بہ امکانِ غالب چشتی نظامی سلسلے کی خلافت بھی عطا کردی گئی تھی۔ ان کے خاندانی منابع سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں حضرت شیخ سے اجازت بیعت ملی تھی البتہ لوگوں کو بیعت کرنے کے حوالے سے ان کے بیٹے مولانا غلام احمد بریاں نے لکھا ہے:

> آپ عام طور سے کسی کو مرید نہیں کرتے الا جس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اوس کو منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں (بریاں، ۱۳۱۳، ۵۶)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کے انھوں نے بعض لوگوں کو یقیناً مرید کیا تھا۔ قرائن سے لگتا ہے کہ انھوں نے کسی کو خلافت نہیں دی تھی اور غالباً خلافت و اجازت کا سلسلہ ان کے خاندان میں

آگے نہیں چلا، گو ان کے خاندان کے بعض افراد میں چشتی آداب و رسوم اب تک جاری ہیں۔

حضرت غلام محمد خان نے میرٹھ میں سات سال سرکاری ملازمت کی جو ان کے باثر والد کی کوشش سے انھیں بہ آسانی مل گئی تھی۔ پھر وہ بہ ظاہر کسی سبب کے بغیر ہی اس ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور کچھ عرصہ ایک بحرانی کیفیت میں رہے، کبھی سوچتے کہ اندور کے ایک امیر سے وابستہ ہو جائیں جس سے وہ اپنے والد کے توسّط سے بہ خوبی واقف تھے اور وہاں بہتر مواقع کا حصول ان کے لیے چنداں مشکل بھی نہیں تھا اور کبھی پنجاب کے مرکزی علاقوں میں مستقل رہائش اختیار کر لینے کا ارادہ کرتے۔ بہ ہر کیف جلد ہی تذبذب کی یہ کیفیت ختم ہوئی (سلیمانی،۸۶) اور انھوں نے از سرِ نو مکمل دل جمعی سے ملازمت کا آغاز کیا اور تیس برس کے لگ بھگ سرکاری واداری مصروفیات میں منہمک رہے۔ وہ مجموعی طور پر ۱۸۳۹ء سے ۱۸۸۳ء تک ملازمت سے وابستہ رہے۔ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں وہ ریٹائرڈ تحصیل دار درجۂ اول کے طور پر پنشن پا رہے تھے۔ اگر چہ انھیں ٹانگوں اور جوڑوں کے درد کی تکلیف لاحق تھی مگر وہ مجموعی طور پر فعال تھے اور تمام نمازیں باقاعدہ مسجد میں ادا کرنے کے علاوہ اوراد و وظائف اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے شیخ فخر الدین زرادی کے رسالہ اصول السماع کا اردو ترجمہ بھی کیا جو مطبع احمدی، جھجر سے ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۹۷ء میں انھوں نے اپنی سوانح عمری لکھی جو مسلم پریس، دہلی سے شائع بھی ہوئی تھی۔ غالباً وہ دبستانِ تونسہ کے واحد لکھاری ہیں جنھوں نے خود نوشت سوانح عمری تصنیف کی ہے۔

حضرت غلام محمد خان کے کئی دیگر اہلِ خاندان بھی تونسہ شریف کے مرید ہوئے۔ ان کے خالہ زاد بھائی عزیز الدین تو ان سے بھی پہلے مرید ہو کر چند سال حضرت شیخ کی خدمت میں رہ چکے تھے، ان کے عزیزوں میں سے محبّ اللہ خان اور خالہ زاد بھائی عبدالرحمان خان کم و بیش انھی کے ساتھ ہی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان کے ایک بھائی حاجی غلام حسین خان (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء- ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) بھی تونسہ شریف کے مرید تھے۔(معتصم، ۵۱) بعد میں حضرت غلام محمد خان نے اپنے دو بیٹوں شیر محمد خان اور ولی محمد خان اور بیٹی کو بھی غائبانہ طور پر اعلیٰ حضرت تونسوی کا مرید کروایا اور حضرت شیخ نے ان کی بیعت قبول فرمائی۔(سلیمانی،۱۔۹۰)

شیر محمد خان بعد میں تحصیل داری تک پہنچے اور ولی محمد خان اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع میرٹھ رہے۔ مصنف کے ایک قابلِ فخر بیٹے غلام احمد خان بریاں (وفات ۲۸۔اگست ۱۹۳۴ء) حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش تونسوی (۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) کے مرید ہوئے۔ حق داد خان جھجری بھی حضرت خواجہ اللہ بخش کے دامنِ طریقت سے وابستہ تھے۔ مصنّف کے ایک برادر زادہ حافظ محمود حسین خان بن حاجی غلام حسین خان بھی حضرت شاہ اللہ بخش کے مرید تھے۔ وہ اچھے ادیب اور شاعر بھی تھے اور نازاں تخلص کرتے تھے۔ نازاں نے مناقب سلیمانی کی دوسری اشاعت (جھجر، ۱۸۹۷ء) میں دو صفحوں کا ایک جامع اردو خاتمہ بھی لکھا اور قطعۂ تاریخ بھی۔ اس خاندان کے دیگر افراد میں منشی محمد خان (چیف کانسٹیبل)، علی احمد درخشاں اور محمد یعقوب خان سوار رجمنٹ (اوّل) کے نام ملتے ہیں۔ یہ سب افراد اہلِ علم و ادب تھے۔ ان میں سے بیشتر شاعر اور تاریخ گوئی میں مہارت رکھتے تھے۔ برہان السالکین اردو ترجمہ دلیل العارفین از غلام احمد بریاں، مطبع رضوی، دہلی، ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء کے آخر میں ان کے کہے ہوئے قطعات تاریخ شامل ہیں۔

جھجر کے اس چشتی نظامی خانوادے کی علمی و اشاعتی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ شیر محمد خان نے ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں مطبع احمدی، جھجر، دہلی قائم کیا اور غلام احمد خان بریاں نے جھجر میں ہریانہ پریس، ہریانہ اخبار اور رسالہ رفاہ عام جاری کیا۔ پھر ۱۸۹۱ء میں جھجر ہی میں مسلم پریس قائم کیا جسے ۱۸۹۷ء میں دہلی منتقل کر دیا گیا (معتصم، ۵۴، ۵۶)۔ بریاں بہت پڑھے لکھے، شاعر، ادیب اور مترجم تھے۔ وہ کچھ عرصہ ضلع جبل پور میں پولیس کے محکمے میں ملازم بھی رہے۔ انھوں نے تصوّف کی چالیس کے لگ بھگ اہم کتب شائع کیں اور بہت سی کتابوں کے معیاری اردو تراجم کر کے زیور طبع سے آراستہ کیے۔ صاحب تاریخ مشائخ چشت کے بقول:

> خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مریدین میں مولانا غلام احمد بریاں نے خاص طور پر تصوّف کی خدمت انجام دی۔ ان کو تصوّف سے بے حد دل چسپی تھی۔ بزرگوں کے حالات اور ملفوظات کی اشاعت میں جو کوشش انھوں نے کی، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ملفوظاتِ خواجگانِ چشت،

فوائد الفواد، خیرالمجالس، کشکول، اخبار الاخبار، اصول السماع
وغیرہ کتابوں کو انھوں نے ترجمہ کر کے اپنے مسلم پریس دہلی سے شائع کیا
اور اس طرح بہت سی ایسی کتابوں کو محفوظ کر دیا جو اگر اس وقت طبع نہ ہو
تیں تو ضایع ہو جاتیں۔ (نظامی، ۲۔ ۴۴۱)

مذکورہ کتب کے علاوہ انھوں نے برھان السالکین کے نام سے دلیل العارفین کا ترجمہ بھی کیا جو ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں شائع ہوا۔ بریاں نے میر خرد کرمانی کی سیر الاولیا کا اردو ترجمہ کر کے ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں شائع کیا تھا جو بہت عمدہ ترجمہ ہے۔ بریاں کی ادبی و اشاعتی خدمات پر مفصل تحقیقی کام کی ضرورت ہے تاکہ شاعر، نثر نگار، مترجم اور ناشر کے طور پر ان کا مرتبہ و مقام متعیّن ہو سکے اور انھیں ہماری تاریخ میں وہ عزّت و شہرت مل سکے جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

حضرت غلام محمد خان نے ۱۲۵۵ھ/۱۸۴۰ء میں مناقب سلیمانی تالیف کی (Hadi,203)۔ وہ سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بہ خاطر فاطرِ این نیاز مند چنان مقرر گشت که سعادتِ دارینی خود به تبیان بعض احوالِ آن خواجهٔ انام حاصل نماید تا باعثِ هدایتِ دیگران نیز گردد (سلیمانی، ۷).

کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مقدمه: دربیان بعض اصطلاحات که در این رساله مذکور شده.

باب اول: در بیان حال اوقات و عادات و اخلاق مبارك حضرت خواجهٔ راستان.

باب دوم: متضمن احوالِ کرامات و خرق عاداتِ جنابِ عالمیان.

باب سوم: مشعر به تشریح بعض ملفوظات و مجالسِ شریف.

باب چهارم: به بیان حالاتِ خلفای اربعه که مخصوصیتی دیگر دارند.

باب پنجم: تسطیر احوالِ بعضی از خلفای نامدار (سلیمانی، ۸).

۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں انھوں نے اس کا پہلا تکملہ لکھا۔ اسی سال ان کے بیٹے شیر محمد خان

نے اشاعتِ اول (۱۸۷۱ء) کا خاتمۃ الطبع تحریر کیا۔ پھر مصنف نے ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں دوسرے تکملے کا اضافہ کیا۔ وہ اس میں حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مفصل احوال بھی لکھنا چاہتے تھے لیکن ان کی طرف سے اجازت نہ ملنے پر محض مختصر کوائف ہی ضبطِ تحریر میں لائے (سلیمانی، ۱۸۹۷ء، ۶۷)۔ ان کے منابع میں حضرت دیدار بخش پاک پٹنی، حضرت عبدالشکور خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۵۸ء، مدفون تونسہ شریف)، حضرت مولوی محمد موسیٰ اور حضرت حاجی بختاور جیسے معتبر پیر بھائیوں اور خلفا کی بیان کردہ روایات ہیں۔ عین ممکن ہے انھوں نے اعلیٰ حضرت تونسوی کے بارے میں پہلے سے لکھی گئی کتابوں یا آپ کے ملفوظات کے متقدم مجموعوں سے بھی مدد لی ہو۔ وہ نواب عماد الملک غازی الدین خان نظام (۱۷۳۶-۱۸۰۰ء) کی ایک تصنیف فخرالمناقب سے شاہ محمد سلیمان تونسوی کے بارے میں ایک تعریفی جملہ نقل کرتے ہیں (سلیمانی، ۱۷)۔ نظام کی کوئی تصنیف اس نام کی نہیں ہے۔ ان کی ایک تالیف مناقب فخریہ (مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی: ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) ہے جس میں یہ جملہ موجود نہیں ہے۔ البتہ نظام کی ایک تالیف اسماء الابرار ہے جس میں یہ جملہ لکھا گیا تھا اور اس کے حوالے سے کئی کتابوں میں اسے نقل بھی کیا گیا ہے۔ مختلف منابع میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ اسماء الابرار کئی بزرگوں کی دسترس میں تھی لیکن اب اس کے کسی نسخے کا سراغ نہیں ملتا (خان، ۹-۳۷)۔ بہ ہر طور کتاب کے مندرجات بہت مستند ہیں۔ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں انھوں نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے حکم پر مناقب سلیمانی کا مناقب مرتبہٴ مولوی حافظ احمد یار سے تقابل بھی کیا (سلیمانی، ۶۶)۔ خود مصنف کے بعض نجی کوائف اور تونسہ شریف میں ان کی حاضریوں کی تفصیل کے سلسلے میں یہ کتاب بجا طور پر درجہٴ اوّل کا ماخذ ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر بعد کے کئی تذکرہ نگاروں، مثلاً مولانا اللہ بخش ملغانی مولف خاتم سلیمانی (۱۹۰۵ء، لاہور)، نے اس کے مطالب سے استناد کیا ہے۔

مناقبِ سلیمانی برصغیر میں رائج خوب صورت اور معیاری فارسی نثر میں لکھی گئی ہے۔ مصنّف کے بقول انھیں عبارت آرائی منظور نہیں تھی (سلیمانی، ۸)۔ وہ اپنے طبعی ذوق و میلان کی بنیاد پر جابہ جا برمحل اشعار سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ یہ تمام اشعار بہت عمدہ اور منتخب ہیں جس

سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنّف کا جوہرِ سخن شناسی بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ انھوں نے مختلف بزرگوں کے لیے القاب کا بہ کثرت استعمال کیا ہے جن میں سے بیشتر القاب مسجع مقفی عربی تراکیب پر مشتمل ہیں۔ ان کی فارسی نثر میں مقامی الفاظ کی معتدل آمیزش بہت بھلی لگتی ہے۔ ایسے کچھ الفاظ یہ ہیں: بنگلہ (۱۸)، گھڑی (۱۸)، چہار پایی (۱۹)، لنگی (۲۴)، تہمد (تہ بند: ۲۴)، لوٹا (۲۴)، ٹانک (۲۵)، چھٹانک (۳۳)، باجرہ (۳۳)، مہاجن (۳۴)، چوکہ (۳۶)، گٹہ (۳۶)، کروہ (۳۹)، ہنڈوی (۶۰)، چاچا (۶۵) اور بیلی (۹۴) وغیرہ۔ کہیں کہیں انھوں نے نقلِ قول میں امانت و دیانت کی ذمہ داری بہ طریق احسن نبھاتے ہوئے دوسروں کے جملے عیناً مقامی زبان ہی میں روایت کیے ہیں۔

ان کی نثر میں کچھ فارسی الفاظ وتراکیب کے مقامی معانی میں استعمال کے متعدد نمونے بھی کثرت سے ملتے ہیں مثلاً: عرض ساختن/عرض کرنا (۱۳،۱۵)، خفا شدن/ ناراض ہونا (۱۳)، تلاش کردن / ڈھونڈنا (۱۵)، نوش کردن/ پینا (۱۸)، پیدا شدن / پیدا ہونا (۲۵)، ریسمانِ تعویذ /تعویذ کا دھاگا (۲۸)، تکلیف کشیدن/تکلیف اٹھانا (۳۱)، نقش/تعویذ (۳۲)، کلام فرمودن /بات چیت کرنا (۳۲) کم پیداواری غلہ / غلے کی کم پیداوار (۳۲)، نان روغن انداختہ / مرغن روٹی (۳۳)، دوخت کنانیدن/سلوانا (۳۳)، روغن تلخ/کڑوا تیل (۳۴)، کمی کردن /کمی کرنا (۳۷)، ارشاد ساختن/ فرمانا (۴۰)، مصلیٰ دراز کردن/مصلیٰ بچھانا (۴۱)، مصروف شدن /مصروف ہونا (۴۵)، آوند وضو ساختنی/ وضو کے پانی والا برتن (۴۵) اور کلام/تعویذ (۶۸) وغیرہ۔ مقامی فارسی کے زیر اثر انھوں نے علمایان، فقرایان اور اشیاھا جیسے جمع الجمع بھی استعمال کیے ہیں۔

ان کوائف کی روشنی میں مناقب سلیمانی حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے احوال و ملفوظات کے موضوع پر لکھی جانے والی تقریباً ایک درجن کتب میں انفرادی اہمیت کی حامل اور خانقاہِ تونسہ کی دینی، علمی اور روحانی تاریخ کا ایک مستند مأخذ ہے۔ خانقاہ تونسہ کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے اس اہم متن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

کتابیات:

۱۔ بریاں، غلام احمد خان (۱۳۰۸)، برهان السالکین اردو ترجمۂ دلیل العارفین، مطبع رضوی، دہلی۔

۲۔ بریاں، غلام احمد خان (۱۳۱۳)، تذکرة المعین، مسلم پریس، جھجر۔

۳۔ جھجری، غلام محمد خان (۱۸۷۱)، مناقب سلیمانی، اشاعت اول، مطبع احمدی، دہلی۔

۴۔ جھجری، غلام محمد خان (۱۸۹۷)، مناقب سلیمانی، اشاعت دوم، مسلم پریس، جھجر۔

۵۔ خان، عظمیٰ عزیز (۲۰۱۴)، تصحیح و تعلیقات مثنوی فخریةالنظام از نواب عماد الملك غازی الدین خان نظام با مقدمه در شرح حال شاعر و بر رسی هنر و اندیشهٔ وی،(پایان نامۂ چاپ نشدۂ دکتری) بہ راہنمایی دکتر غلام معین الدین نظامی، گروہ زبان و ادبیات فارسی، دانشکدۂ خاور شناسی، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔

۶۔ رکن الدین (۱۹۸۴)، اشارات فریدی، مقابیس المجالس، اردو ترجمہ از واحد بخش سیال، الفیصل، لاہور۔

۷۔ معتصم اللہ خان، محمد (۲۰۰۹) شجرہ و حالات افغانانِ محلّہ دروازہ کلاں جھجرضلع رھتك انڈیا، شمسی پبلشرز، کراچی۔

۸۔ نظامی، خلیق احمد (۱۹۸۲)، تاریخ مشائخ چشت، دائرۃ المصنفین، اسلام آباد۔

9. Hadi, Nabi (1995), *Dictionary of Indo-Perisan Literature,* Indra Gandhi National Centre for the Arts, Abhinav Publications, Delhi.